مشرق وسطیٰ

فلسطین: "القدس کو قیامِ امن کے عمل میں فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔" ——— پوپ جان پال دوم

پوپ جان پال دوم نے متنبہ کیا ہے کہ سال رواں میں ہونے والے مذاکرات میں اگر القدس کے مستقبل کے بارے میں کوئی پائیدار حل تلاش نہ کیا گیا تو مشرق وسطیٰ کا امن عارضی ثابت ہوگا۔ اس امر کا اظہار پوپ نے سفارتی نمائندوں سے باتیں کرتے ہوئے کیا جو نئے سال کے آغاز پر اُن سے ملے تھے۔ جناب پوپ نے مشرق وسطیٰ میں قیامِ امن کی کوششوں کی تعریف کی جن کے نتیجے میں گزشتہ سال فلسطین کا نمائندہ دفتر ویٹی کن میں قائم ہوا تھا اور ویٹی کن نے اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات استوار کیے تھے۔

"ہم اِس مسرت انگیز صورت حال کے بارے میں پُر امید ہیں۔ خداوند اسرائیلیوں اور فلسطینیوں کو توفیق دے کہ وہ آئندہ ایک دوسرے کے ساتھ امن، باہمی احترام اور مخلصانہ تعاون کرتے ہوئے زندگی گزاریں۔ تاہم مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ یہ اُمید عارضی ثابت ہو سکتی ہے، اگر القدس کے خصوصی مسئلے کے بارے میں منصفانہ اور صحیح حل تلاش نہ کیا گیا۔"

"القدس کی مذہبی اور بین الاقوامی حیثیت کا تقاضا ہے کہ عالمی برادری شہر کی انفرادیت برقرار رکھنے میں پوری دلچسپی لے، تاکہ اس کا زندہ کردار برقرار رہے۔"

جناب پوپ نے متنبہ کیا کہ "اگر شہر کے مقدّس مقامات کے گرد ضمیر اور مذہبی مراسم کی ادائیگی کی صحیح آزادی کے ساتھ یہودی، مسیحی اور مسلمان برادریاں مستقل طور پر آباد نہ رہیں تو اِن مقامات کی اہمیت بہت حد تک ختم ہو جائے گی۔" (روز نامہ "ڈان"، کراچی - ۱۴ جنوری ۱۹۹۶ء)

ایشیا

پاکستان: قانون توہینِ رسالت کے خلاف مہم کا نیا رُخ

[بشپ آف فیصل آباد ڈاکٹر جان جوزف کا حسبِ ذیل مضمون مختلف مسیحی جرائد میں شائع ہوا

ہے۔ جسے ہم کتابت کی اغلاط درست کرتے ہوئے پندرہ روزہ "کاتھولک نقیب" (لاہور) کے شکریے سے نقل کر رہے ہیں۔ اِس سے قانون توہینِ رسالت کے خلاف مہم کے ایک نئے رُخ کا اظہار ہوتا ہے۔ مدیر]

کچھ لوگ سوچتے ہیں کہ اگر ہم کافی دیر تک آنکھیں بند رکھیں گے تو آخر کار بلی چلی جائے گی، مگر یہ خاص بلی جو معصوم انسانوں کا خون مسلسل چوس رہی ہے، دعا، روزہ اور جرأت مندانہ اقدام کے بغیر ہرگز دور نہیں جائے گی۔

حال ہی میں میسیو آخن (مسیحی امدادی انجمن) اور دیگر جرمن دوستوں نے ایسا ہی جرأت مندانہ قدم اٹھایا ہے۔ میسیو آخن کی رہنمائی میں ایک مہم کا آغاز ہوا جس میں قانون توہینِ رسالت ۲۹۵ - سی میں لازمی سزائے موت کے خاتمے کے لیے لوگوں سے دستخط اکٹھے کیے گئے۔ چند ہی ماہ میں جرمنی کے تمام علاقوں سے تقریباً ۸۸ ہزار دستخط جمع ہو گئے۔ دفترِ خارجہ میں دستخط جمع کرانے کی آخری تاریخ ۱۴ دسمبر ۱۹۹۵ء مقرر کی گئی، مگر مقررہ تاریخ کے بعد بھی میسیو کی فیکس مشین دن رات دستخط کے صفحات وصول کرتی رہی۔

میسیو نے ۱۴ دسمبر ۱۹۹۵ء کو صبح دس بجے جرمنی کے دارالخلافہ بون کے پریس کلب میں دستخط سپرد کرنے کی تقریب کا اہتمام کیا۔ اس تقریب میں مندرجہ ذیل اشخاص شریک تھے۔

میسیو کے صدر جناب دِیتمار بادر اور اُن کے معاونین، جرمنی کے معاون وزیر خارجہ ہلموت شیفر، جرمن حکومت کے ڈائریکٹر برائے ایشیا، فیصل آباد ڈایوسیس کے بشپ ڈاکٹر جان جوزف جو خصوصی طور پر اِس تقریب میں مدعو کیے گئے تھے، جرمنی میں پاکستانی سفیر جناب اسد درانی اور اُن کے معاونین۔

جرمنی کے معاون وزیر خارجہ نے دستخطوں کے موٹے موٹے دستے پاکستانی سفیر کے سپرد کیے۔

پاکستان کے سفیر نے اپنا ایک تحریری بیان پڑھا اور کہا اگر میں اپنی تقریر کا آغاز شکریہ کے الفاظ سے نہ کروں تو آپ سمجھ لیں گے کہ میں ایسا کیوں کر رہا ہوں۔ انہوں نے اِس بات کو واضح کیا کہ وہ یہاں اپنی مرضی اور خوشی سے نہیں آئے کہ ۲۹۵ - سی کے خلاف دستخطوں کی اتنی بڑی مقدار وصول کریں۔ بعد ازاں اُنھوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ مسیحی پاکستان کی سب سے بڑی اقلیت ہیں۔ ہمارے ملک میں اقلیتیں مذہب اور عبادت میں بالکل آزاد ہیں۔ جرمن زبان میں لکھی ہوئی تقریر پڑھتے ہوئے اُنھوں نے کہا کہ ہر ملک میں کچھ قوانین اچھے ہوتے ہیں اور کچھ قوانین ایسے بھی ہوتے ہیں جو اتنے اچھے نہیں ہوتے، مگر وقت اور تجربے کے ساتھ ساتھ ہر ملک اس میں اچھائی اور بہتری لانے کی کاوش ضرور کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ جج اچھے ہوتے ہیں اور کچھ ایسے بھی جو اتنے اچھے نہیں ہوتے۔ انھوں نے بوسنیا، چیچنیا اور کشمیر کی مثالیں دیں۔ آخر میں اُنھوں نے تنبیہ کرنے کے لہجے میں میری طرف

دیکھتے ہوئے کہا کہ مجھے آپ کو خبردار کرنا ہے کہ اگر آپ مسیحی برادری کی حمایت کرتے ہیں تو آپ کو دوسری برادری کے ردعمل یعنی جوابی حملے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔

ہمیں سفیر صاحب کے اس بتائے گئے جوابی حملے کا خوف خاموش نہیں کر سکتا، کیونکہ ۱۹۹۱ء سے توہینِ رسالت کے [قانون] ۲۹۵ - سی کی وجہ سے مذہب کے نام پر اتنے تشدّد آمیز قتل ہوئے ہیں کہ کوئی بھی انسان جو باضمیر ہے، اس قتل و غارت کو دیکھ کر اپنا منہ بند نہیں رکھ سکتا۔ ہمیں ان جوابی حملوں کی پروا کیے بغیر اس ظلم کو ختم کرنا ہے۔ ہم اپنی منزل پر ضرور پہنچیں گے۔ اس کے لیے چاہے ہمیں آگ کے سمندر کو عبور کرنا پڑے۔ یہ اس لیے ضروری ہے، کیونکہ پورے معاشرے میں انتشار پھیلایا جارہا ہے۔ مختلف مذاہب اور فرقوں کے درمیان نفرت اور تعصّب کا بیج بویا جارہا ہے۔ اس قانون سے نہ صرف مسیحی اور احمدی متاثر ہیں، بلکہ خود مسلمان بھی اس سے پریشان ہیں۔

کئی شرمناک اور افسوس ناک واقعات ایسے بھی ہوئے ہیں جہاں معصوم اور بے گناہ مسلمانوں کو گستاخِ رسولؐ کا الزام لگا کر ان پر تشدّد کیا گیا یا پھر سنگسار کر دیا گیا اور اُن کے بدن پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی گئی۔

کچھ ماہ پہلے ایک مسلمان کو پشاور کی ضلع کچہری کی حدود میں پولیس کی موجودگی میں سنگسار کر کے ہلاک کر دیا گیا، کیونکہ اس نے ایک احمدی کی مدد کی تھی جس پر گستاخیِ رسولؐ کا الزام تھا۔ یہ افسوس ناک واقعات نعمت احمر، طاہر اقبال، بنتو مسیح، منظور مسیح کے قتل، گل مسیح، سلامت مسیح، رحمت مسیح اور چاند برکت کے جلاوطن ہو جانے سے کم نہیں ہوئے۔ بلکہ یہ خوفناک الیمے مسلسل جاری ہیں۔ گزشتہ چھ ماہ کے دوران چک نمبر ۱۰/۴۴ ایل او کاڑہ، گوجرہ کے قریب جلیا نوالہ اور گوجرانوالہ میں کئی نوعمر مسیحی اس قانون کی زد میں آئے۔

سب سے تازہ ترین واقعہ لاہور کا ہے جو نومبر ۱۹۹۵ء میں ہوا جہاں ایک مسجد میں ایک خط پھینکا گیا جس میں اسلام کے خلاف کچھ تحریر تھا۔ دو ہفتوں کے اندر اندر پولیس نے پانچ مسیحی نوجوانوں کو حراست میں لے لیا جن میں سے ایک نوجوان ۱۳ نومبر کو جیل ہی میں موت کے منہ میں چلا گیا۔ خون کے پیاسے مدعی مطمئن ہو گئے، کیونکہ اُنہیں تو کسی مسیحی کا خون چاہیے تھا، جو انہیں مل گیا۔

ستمبر ۱۹۹۵ء میں سکھر میں جو واقعہ ایک مسیحی نوعمر بچی کے ساتھ ہوا، وہ ہمارے لیے ایک بہت بڑا دھچکہ ہے۔ کیرل شکیل ۱۴ سالہ مسیحی بچی نے امتحانی پرچہ میں کچھ تحریر کیا جو اس کی مسلم استانی کے نزدیک حضورؐ کی شان کے خلاف تھا۔ اس واقعہ کو مسجد لاؤڈ سپیکرز کی مدد سے گردو نواح میں پھیلا دیا گیا، اور ۲۵۰ مولوی حضرات نے دستخط کر کے یہ اعلان کر دیا کہ اس لڑکی کو قتل کر دیا جائے یا پھر اس کے بچاؤ کا ایک راستہ ہے کہ یہ مسلمان ہو جائے اور اسے مسلمان ہونا پڑا۔

گزشتہ سال پاکستان کے صدر جناب فاروق احمد لغاری نے اعلان کیا کہ آئندہ پولیس کے پاس یہ

اختیارات نہیں ہوں گے کہ وہ خود گستاخی رسول کے کسی بھی ملزم کو گرفتار کرے، مدعی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تک رسائی کرے جو بعد میں ابتدائی پوچھ گچھ کے بعد پولیس کو اختیار دے گا، کہ وہ معاملہ میں دخل اندازی کر سکیں، مگر افسوس صد افسوس۔ انتہا پسندوں کے دباؤ کی وجہ سے گورنمنٹ اس پر عمل نہیں کرا سکی۔ جیسے حال ہی میں نومبر ۱۹۹۵ء میں لاہور پولیس نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے اختیار حاصل کیے بغیر مولوی حضرات کی خوشنودی کے لیے پانچ مسیحیوں کو گرفتار کر لیا اور بعد میں ایک مسیحی نوجوان پولیس کی حراست میں وفات پا گیا۔

ایسے افسوسناک حالات میں ہمارے دلوں میں میسیو آخن (مسیحی امداد انجمن) کے لیے جو شکر گزاری کے گہرے جذبات ہیں، ان کی نوعیت ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔ ہم میسیو آخن اور دیگر جرمن دوستوں کے شکر گزار ہیں جنھوں نے اپنی عظیم کاوش کے ذریعے ۸۸ ہزار سے زائد دستخط جمع کیے ہیں جن میں توہینِ رسالت قانون کے خاتمے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ ہم خاص طور پر اُن کے شکر گزار ہیں، کیونکہ انھوں نے یہ کام دعا اور روزہ کے ساتھ سرانجام دیا ہے۔

آپ سب سے درخواست ہے کہ اس وقت تک ہمارے ساتھ قدم ملا کر چلتے رہیے جب تک ۲۹۵ - سی ختم نہیں ہو جاتا، تاکہ ہمارے لوگ پاکستان میں بغیر خوف کے سکولوں اور دفتروں میں جا سکیں، اس خوف کے بغیر کہ اُن پر اچانک توہینِ رسالت لاگو نہ کر دی جائے۔

ہم پورے دل سے ملک معراج خالد (سابق اسپیکر قومی اسمبلی) سے متفق ہیں جنھوں نے آج کے "جنگ" اخبار میں کہا ہے "توہین رسالت قانون کی دفعہ ۲۹۵ - سی مسیحیوں پر لٹکتی تلوار ہے۔ ہمیں معاشرہ کو تعصّب اور جبر سے آزاد کرانا ہوگا"۔ خداوند کی قوّت سے ایسا ہی ہوگا۔ آمین۔

اقلیّتوں کے حقوق کے تحفّظ کے لیے اقدامات کیے جا رہے ہیں۔

وزیر اعظم کے مشیر برائے انسانی حقوق جناب کامران حیدر رضوی نے کہا ہے کہ حکومت مختلف مذہبی گروہوں کے درمیان ہم آہنگی میں اضافے کے لیے کوشاں ہے اور تمام ممکنہ ذرائع اختیار کر رہی ہے کہ اقلیّتوں کے حقوق محفوظ رہیں۔ اس امر کا اظہار اُنھوں نے روچسٹر کے بشپ جناب مائیکل نذیر علی سے باتیں کرتے ہوئے کیا۔ بشپ نذیر علی نے کہا کہ اُن کے ہم مذہب اقلیّتوں کے بارے میں اسلام کی رواداری کی تعلیم کا احترام کرتے ہیں، لیکن پاکستان میں نافذ بعض قوانین مثلاً دفعہ ۲۹۵ - سی نے اقلیّتوں میں عدمِ تحفّظ کا احساس پیدا کیا ہے۔

جنابِ کامران رضوی نے مائیکل نذیر علی کو بتایا کہ "حکومت قوانین کو انسانی حقوق کے بین